ناول ''راجہ گدھ'' میں صوفیانہ عناصر

کلیدی الفاظ: ناول، راجہ گدھ، صوفیانہ عناصر

ڈاکٹر نصرت جبین

شعبہ اُردو، مرکزی جامعہ کشمیر

ملخّص:

ادبیاتِ مشرق میں جو موضوعات بنیادی اہمیت کے حامل ہیں اُن میں عشق اور متعلقاتِ عشق، رندی و سرمستی، دنیاداری کے ہزار پہلو اور خمریات کے ساتھ ساتھ تصوف بھی کئی اعتبار سے قابلِ ذکر ہے۔ واضح رہے کہ ہر مذہب کے ماننے والوں کے یہاں باطنی کیفیات اور روحانی معاملات یکساں طور پر پائے جاتے ہیں۔ اسلامی عقائد اور اقدار کے ماننے والوں کے یہاں ایسی روحانی کیفیات اور قربِ الٰہی کی حامل خصوصیات نے اسلامی دنیا میں ادب کا ایک معتد بہ حصہ پیدا کر دیا ہے۔ بہر حال اِس صوفیانہ موضوع نے ہر ادب کے قارئین کو محظوظ و متاثر کیا ہے۔ زیرِ نظر مقالہ میں تصوف کی اہمیت و معنویت کو بیان کرنے کے بعد اُردو کی معروف ناول

نگار بانو قدسیہ کے ''راجہ گدھ'' کا تجزیہ کیا گیا ہے جس میں صوفیانہ عناصر کو کھنگالنے کی کوشش کی گئی ہے۔ جیسا کہ ہم سب جانتے ہیں کہ یہ ناول علامتی اسلوب کا حامل ہے لیکن اس کے باوجود بھی اس میں تصوف کی لیل ونہار واضح طور پر نظر آتی ہے۔

اہمیت تصوف: تصوف کیا ہے اور تصوف کی فکر کے سرچشمے کیا ہیں۔ یہ ایک طویل بحث ہے۔ علماء اور مفکرین نے اس حوالے سے سیر حاصل بحث کی ہوئی ہے۔ بہت ساری کتابیں اور مضامین اس موضوع کے تناظر میں تحریر کی گئیں ہیں۔ اس لیے یہاں اس کی تفصیل درج نہیں ہوگی۔ مختصر یہ کہ تصوف کی بہت ساری تعریفیں اور تاویلیں پیش کی گئی ہیں۔ جیسے لفظ صوفی کے بارے میں لکھا جاتا ہے کہ اس لفظ کا استعمال پہلی صدی ہجری سے ہورہا ہے۔ جب محمد جعفر بن احمد بن حسین السراج نے امیر معاویہؓ کے نام ایک مکتوب میں کیا تھا۔

اسلامی عقائد ونظریات کی روشنی میں ''تصوف'' پر بحث کرتے ہوئے بعض علماء اس پر اختلاف کرتے ہیں اور کچھ علماء اس کو قرآن سے ہی اخذ کیا ہوا ایک نظریہ قرار دیتے ہیں۔ وقت گزرنے کے ساتھ تصوف کے دو

اہم نظریے سامنے آئے ایک نظریہ وحدت الوجود اور دوسرا وحدت الشہود۔ مگر بنیادی طور پر دونوں نظریات میں تزکیۂ نفس کو ہی اصل اہمیت حاصل ہے۔یعنی جب تک ایک انسان نفس کشی نہیں کرے گا تب تک وہ عرفان کی منازل کو عبور نہیں کر سکے گا۔

اردو ادب میں اس نظریہ کو ابتداء سے ہی برتا جا رہا ہے لگ بھگ ہر چھوٹے بڑے شاعر اور فکشن نگار نے اس نظریے کو اپنے ادب میں کہیں نہ کہیں پیش کیا ہے۔ ہماری ادبی اور شعری فکر نے تصوف سے بہت سارے موضوعات اخذ کر کے پیش کیا ہے۔انور پاشا یوں رقم طراز ہیں:

> ''جب اسلامی تصوف ان تصورات کے ساتھ ہندوستان پہنچا تو اس آریائی مزاج کی سرزمین میں یہ پودا برگ و بار لایا اور اس کی مقبولیت نے بڑی گہری جڑ پکڑ لی۔اس سے قبل تصوف فارسی شاعری کو اپنے رنگ میں رنگ چکا تھا۔ ہندوستان میں تصوف کی روایت بہت کچھ فارسی شاعری کے زیر اثر عام ہوئی۔ جو فکری سرمایہ فارسی شاعری اور ادب کے ذریعے ہندوستان آیا تھا اور دراصل اس سرزمین کے لیے کلیۃً اجنبی نہیں تھا بلکہ وہ دراصل دو ایسی آریائی

تہذیبوں کا ایک مدت مدیر کے بعد ملاپ تھا، جن کی
ابتدا کبھی ایک مشترک مستقر سے ہوئی تھی اور جن کا
خمیر ایک ہی نسلی خصوصیات سے تیار ہوا تھا''۔ ا؎

اردو شعر و ادب کی نہ صرف فکر بلکہ فن کے اعتبار سے بھی اکثر اصناف عربی اور فارسی ہی کی مرہونِ منت ہیں۔ فارسی ادب پر تصوف کے اثرات بہت گہرے تھے۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ اردو ادب کا بھی یہ غالب موضوع رہا ہندوستان میں سیاسی انتشار نے بھی تصوف کے موضوع کو ادب میں پھلنے پھولنے کا اچھا ماحول فراہم کیا۔ امیر خسرو (۱۲۵۳۔۱۳۲۵) کے موضوع کو ادب میں پھلنے پھولنے کا اچھا ماحول فراہم کیا۔ امیر خسروؔ سعد اللہ گلشن، مظہر جان جاناں اور خواجہ میر دردؔ کی مثالیں اس حوالے سے پیش کی جاسکتی ہیں۔

درد کچھ معلوم ہے یہ لوگ سب
کس طرف سے آئے تھے کدھر چلے
نظر میرے دل کی پڑی درد کس پر
جدھر دیکھتا ہوں وہی روبرو ہے
خبر تحیر عشق سن نہ جنوں رہا نہ پری رہی
نہ تو تو رہا نہ تو میں رہا جو رہی سو بے خبر رہی

۲ے

اس طرح فارسی کی طرح اردو میں بھی صوفی شعراء نے تصوف کی فکر کو باضابطہ طور پر ایک صحت مند ادبی روایت کی شکل متعین کر دی۔ کہ غالب اور خاص کر اقبال جیسے شاعروں کے ہاں ہمیں اس کی جستہ جستہ مثالیں ملتی ہیں۔

اے کون دیکھ سکتا کہ یگانہ ہے وہ یکتا
جو دوئی کی بو بھی ہویت تو کہیں دوچار ہوتا
یہ مسائل تصوف یہ ترا بیان غالبؔ
تجھے ہم ولی سمجھتے جو نہ بادہ خواب ہوتا

غالبؔ

نہ وہ عشق میں رہیں گرمیاں نہ وہ حسن میں رہیں شوخیاں
وہ وہ غزنوی میں تڑپ رہی نہ وہ خم ہے زلفِ ایاز میں
جب میں سر بسجدہ ہوا کبھی تو زمین سے آنے لگی صدا
تیرا دل تو ہے صنم آشنا تجھے کیا ملے گا نماز میں

اقبالؔ

اور یہی روایت پھر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اردو شاعری کے علاوہ اردو فکشن کے فکری سانچے میں بھی تھوڑی بہت تبدیلیوں کے ساتھ برتی جانے لگی۔ جس کی بہت سارے ادیبوں نے اپنے فکشن میں ترجمانی کی ہے۔

اردو ادب میں شاعری کے ساتھ ساتھ نثر میں بھی تصوف کے نمونے بہت پہلے سے پڑھنے کو ملتے ہیں اگر چہ صوفیا کے ہاں ادب کی تخلیق بنیادی مقصد نہیں تھا ان کا مقصد تو خالص اصلاحی اور تبلیغی تھا مگر اس مقصد کے لیے انہوں نے جس مقامی زبان کا استعمال کیا تھا وہ اردو ہی تھی۔

اسلامی صوفی تاریخ میں رابع بصریؒ کے نام سے کون واقف نہیں ہوگا جو صوفی اسلامی تاریخ کے سر برآوردہ شخصیات میں شمار کی جاتی ہیں۔ تصوف کی دنیا میں مردوں کے ساتھ ساتھ خواتین نے بھی ہر لحاظ سے اپنی حصّہ داری بھر پور طریقے سے نبھائی ہے اس طرح اردو فکشن میں خواتین نے تصوف کی فکر کو پیش کر کے اپنی حصہ داری کا بھر پور ثبوت دیا ہے۔ جیسے بانو قدسیہ عصرِ حاضر کی خواتین اردو فکشن نگاروں میں ایک اہم نام ہے ان کے کئی ناول اور افسانوی مجموعے منصۂ شہود پر آ کر سنجیدہ ادبی حلقوں میں داد و تحسین وصول کر چکے ہیں اردو ادب کی مشہور و مقبول فکش نگار بانو قدسیہ اپنے عہد کی قدآور مصنفہ تھیں۔ ان کی تصانیف کی تعداد دو درجن سے زیادہ ہے۔ انھوں نے ۱۹۸۲ء میں راجہ گدھ تحریر کیا جس کا شمار اردو کے بہترین اور مقبول ترین ناولوں میں ہوتا ہے۔ فکری طور پر ان کا ادب تصوف کی تحریک سے متاثر نظر آتا ہے۔ ان کی تحریروں میں حقیقت پسندی، اسلامی فکر، تصوف کے موضوعات اور معاشرتی مسائل کی بھر پور جھلک نظر آتی ہے۔

بانو قدسیہ کی اکثر تخلیقات میں تصوفانہ فکر جستہ جستہ موجود ہے جس کی مثال ان کا ایک اہم ناول ''راجہ گدھ'' ہے۔اس ناول میں بانو قدسیہ نے اسلامی نکتۂ نگاہ سے حلال اور حرام کے درمیان فرق کو فکشن کے ذریعے واضح کرنے کی کوشش کی ہے مصنفہ یہ باور کرانا چاہتی ہے کہ کس طرح حرام رزق اور غیر شرعی کام کی انجام دہی سے کیسے کیسے مضر رساں نتائج سامنے آتے ہیں اور ساتھ ساتھ ہی مصنفہ نے ناول میں یہی تصوف یا روحانیت کے طریقے اختیار کر کے ان بُرے کاموں سے نجات حاصل کرنے کے طریقے اور علاج نسخے بھی بتاتی ہے۔لکھتی ہے:

''یہاں ہم سب کس لیے آتے ہیں سر جی -صرف مرنے کے لیے ناں؟''
زندہ رہنے کے لیے بھی امثل -زندہ رہنے کے لیے بھی شاید''۔
امتل نے ماتھے پر ان گنت سلوٹیں ڈالیں -''ناں سر جی۔آنا صرف مرنے کے لیے ہے۔زندہ رہنا تو ٹائم پاس کرنے کے لیے ہوتا ہے اور ٹائم پاس کرنے کے لیے شادی سے بہتر کوئی مشغلہ نہیں۔جلدی سے عمر کٹ جاتی ہے اور پھر حلال رستہ ہے یہ''۔

شاید اصل مقصد اپنے آپ کو تلاش کرنا ہوا متل''۔

''اپنے آپ کو تلاش کرنا بہت مشکل ہے سر جی- آپ
جوان ہیں صحت مند ہیں-
تم مجھ سے شادی کرلو امتل - ہم دونوں''۔

''ہم دونوں سر جی؟ - ہم دونوں؟ میرے جسم کا تو ہر
قطرہ حرام پر پلا ہے سر جی - میں اس لہو سے اب کوئی
حلال زادہ پیدا نہیں کرسکتی۔
آپ سر جی غلط عورتوں کے پیچھے وقت ضائع نہ
کریں''۔ ۳؎

چونکہ تصوف کا یہ عام نظریہ قائم کیا گیا ہے کہ اخلاق کی درستی، باطن کی پاکیزگی، نفس کشی اور فناء ہونا ہی مقصدِ حیات سمجھ لیا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس نظریے کے تحت زندگی کو فراق تصور کیا جاتا ہے اور موت کو وصال مانا جاتا ہے۔ دنیاوی خواہشات اور ذمہ داریوں کو چھوڑ کر اللہ سے ہمہ تن گوش ہونے سے دل اور روح کو سکون ملتا ہے اور بے قراری و بے چینی ختم ہوجاتی ہے اور کامیابی کی اعلیٰ ترین منزل محبوب سے عشق یا عشق حقیقی کو ٹھہرایا گیا ہے۔ تصور فنا فی المعشوق اسی لیے دنیاوی کامیابیاں اور خوشیاں روحانی منزلوں کی راہ میں رکاوٹیں پیدا کرتے ہیں شریعت کے جو ظاہری احکامات ہیں ان

احکامات کو بجالا ضروری نہیں ہے دنیا کے سارے مذاہب، عبادت گاہیں، مذہبی کتابیں ایک ہی خالقِ حقیقی کی طرف دعوت دیتے ہیں تصوف کے ان نظریات کو بانو قدسیہ یوں بیان کرتی ہے:

''انسان جب تک چاہے جانے کی، رب بننے کی آرزو رکھتا ہے۔ وہ کبھی آزاد نہیں ہوسکتا۔ چاہا جانا اور آزاد رہنا صلیب کے بازو ہیں جن پر آدمی مغلوب ہوجاتا ہے۔ جب تک انسان میں ہلکی سی خواہش بھی ہو وہ تابع رہتا ہے۔ خواہش کی وجہ سے قیدی ہوتا ہے۔ کبھی حاکم نہیں ہوسکتا۔ موت سے پہلے موت - زندگی کے ساتھ زندگی کی نفی - آخرت نجات سے پہلے کلی فرار - نجات کی آرزو تک سے - ہر مسلک سے ہر بت سے چھٹکارا حاصل کرنے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ انسان ہر قسم کے بت توڑ دے، ہر مسلک سے آزاد ہوجائے۔ کسی ملت میں شامل نہ ہو۔ کسی ملک کا باشندہ نہ ہو - کسی معاشرے کا فرد نہ ہو۔ نہ کسی کا عاشق ہو نہ محبوب - ہر کیفیت سے آزاد - ایسی حالت میں وہ سوائے موت کے اور کسی کا مرہونِ منت نہیں

ہوگا؟ ۴؎

مسلمانوں کے ہاتھ سے جب زمامِ اقتدار چلا گیا خلافت کا مرکز ختم ہو گیا ان حالات نے پورے عالمِ اسلام کو انتشار میں مبتلا کیا تو بے آمرا لوگوں کو تصوف کی فکر میں آسرا دکھائی دینے لگا۔ لوگ خارجیت سے داخلیت کی طرف رجوع کرنے لگے بقول اقبالؔ:

اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغِ زندگی

پر تیزی سے عمل ہونے لگا۔ مسلمان دنیاوی فتوحات، کامرانی اور عملی زندگی کی کشمکش سے فرار اختیار کر کے کشف و کرامات پر یقین کر کے اپنے مسائل اور پسپائی کا مداوا ڈونڈھنے لگے یقین اور عشق کو عمل اور خرد پر ترجیح دی جانے لگے۔ ان جیسے اور ایسے ہی بہت سارے نظریات کو بانو قدسیہ نے اردو ناول کے کینوس پر پیش کر کے واقعی ایک افسانے کا کام کیا ہے۔

> ''ناول میں بانو قدسیہ نے انسان کی تخلیق، اس کے ذہنی و فکری ارتقاء، اس کی جنسی نفسیات، اس کی تہذیب، مذہب اور تصوف کے حوالوں سے کائنات میں اس کے مقام سے بحث کی ہے۔ مگر ان سب باتوں کا تانا بانا وہ فکری لحاظ سے تصوف و روحانیت سے جوڑ دیتی ہیں''۔ ۵؎

تصوف کے جو دو بڑے مکاتیبِ فکر ہیں ان میں ایک وجدت الوجود اور دوسرا وحدت الشہود کا نظریہ ہے۔ دونوں نظریات میں کچھ بنیادی افتراک و اشتراک بھی ہے۔ مگر بانو قدسیہ کا انفراد یہ ہے کہ اس نے اپنے فکشن میں ان دونوں نظریات کے اختلاف کو موضوع بحث نہیں بنایا ہے بلکہ تصوف کے جو عام اور دونوں نظریات کے جو مشترکہ تصورات ہیں ان کو اپنے ناولوں اور افسانوں میں فکشنائز کرنے کی کوشش کی ہے۔ مصنفہ زندگی کے تمام مسائل کا علاج تصوف کے نسخے میں تلاش کرتی ہے جگہ جگہ پر مصنفہ نے انسانی مساوات اور مذہبی رواداری کی بات کہی ہے۔

> ''تصوف نے انسانی مساوات پر بھی زور دیا مذاہب کے سکہ بند اور ظاہری تصور کو صوفیا نے حتمی اور قطعی قرار نہیں دیا۔ شعار و رسوم و عبادات کو وہ یکسر ترک یا رد نہیں کرتے۔ البتہ ان کو آخری منزل نہیں سمجھتے، بلکہ اصل ایمان تو خلوصِ قلب ہے۔۔۔۔۔ خلوصِ قلب کے ساتھ اگر بت پرستی بھی کی جائے تو اس کا بھی انعام ملتا ہے''۶؎

صوفیا تصوف میں عام طور پر ظاہری رکھ رکھاؤ یا مذہب اور تہذیب کی بنیاد پر لوگوں کو تقسیم کرنے یا کوئی رائے قائم کرنے پر زیادہ یقین نہیں

رکھتے ہیں بلکہ ان کے نزدیک ایسا کرنے سے مذہبی اور دوسری قسم کی منافرت پھیلتی ہے جو پوری انسانیت کے لیے سمِ قاتل ثابت ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ صرف صاف دلی، خلوصِ نیت اور حرام وحلال میں تمیز کرنے والے کو ہی اہم گردانتے ہیں اور ان خصوصیات والے حامل انسان کو ترجیح اور انسانیت کے لیے بہترین تصور کیا جاتا ہے۔ حرام وحلال کے تصور کو بانو قدسیہ نے بہت ساری علامتوں اور وضاحت کے ساتھ تحریر کیا ہے۔ ان کے نزدیک حرام کام اور عمل کی بے برکتی سے سب کچھ چھن جاتا ہے:

> ''رزق چاہے مادی ہو یا روحانی Genes کو متاثر ضرور کرتا ہے۔ تم مانو نہ مانو یہ حرام وحلال کا بڑا ظالم چکر ہے۔ کبھی کبھی رزقِ حرام سے فرداً فرداً پاگل پن پیدا نہیں ہوتا ۔۔۔۔ بلکہ قوم کی قوم دیوانی ہوجاتی ہے''[۷]

تصوف چونکہ نفسانی خواہشات کو فنا کرنے اور روحانی صفات کو پروان چڑھانے کی تعلیم دیتا ہے۔ انہیں روحانی صفات کو پروان چڑھانے میں رزقِ حلال کا سب سے اہم کردار ہے۔ یعین اپنی خواہشات کو اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق ڈھالنا ہی اصل معرفت اور اس کے لیے اشد ضروری ہے کہ انسانی رزقِ حرام سے شدید نفرت کے ساتھ ساتھ اس سے دور بھی رہے

بلکہ اللہ کے دیے ہوئے پر راضی بہ رضا رہے۔

ناول راجہ گدھ میں مصنفہ نے رزقِ حلال وحرام اور اس کے جو بھی نتائج ہو سکتے ہیں ان کو نہایت ہی تفصیل اور مذہب اسلام کے تناظر میں تصوف کے مباحث کی آڑ میں پیش کیا ہے۔

صوفیت سے وابستہ لوگوں کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ دو دونوں جہانوں کی خواہشات سے اپنے نفس کو پاک وصاف کر دے۔ کیونکہ انھیں یہ محسوس ہوتا ہے کہ جنت کی آرزو یا تمنا کرنا بھی خدا کی محبت یا عشقِ حقیقی کی راہ میں حاصل ہوتی ہے۔ جب کہ نبی رحمتؐ کے بتائے ہوئے یا گزارے ہوئے طرزِ زندگی میں بہشت کی آرزو اور اللہ کی محبت میں ہیں پر بھی کوئی تصادم یا ٹکراو کی بات دور دور تک نہیں ہے۔ اس لیے اسلام میں مسلمان کے لیے جنت دنیاوی جدوجہد اور کامیابیوں کی خواہش کوشش بھی ایک عبادت میں شامل ہے۔ صوفیا اور صوفیت کے ساتھ قبر پرستی، پیر پرستی اور ترکِ دنیا یا رہبانیت کا جو تصور وابستہ ہو گیا ہے وہ سراسر ایک غیر اسلامی شعار ہے۔

بانو قدسیہ کو تصوف سے گہری دلچسپی تھی۔ ان کے ناولوں افسانوں اور ڈراموں میں فکر کا غالب پہلو صوفی ازم ہے وہ قدرت اللہ شہاب سے بہت متاثر تھیں۔ قدرت اللہ شہاب چونکہ خود تصوف کے سلسلۂ اویس کرنیؒ کی طرف مائل تھے وہی اثرات بانو قدسیہ نے بھی قبول کئے تھے۔

مصنفہ کی تخلیقات میں زندگی کی روشن قدروں اور روایات کو تصوف سے ہم آہنگ کرنے کی جو خوبصورت کوشش موجود ہے اس نے ان کو اسلوب کو ندرت اور انفرادیت سے نوازا ہے یہی وجہ ہے کہ اردو فکشن کی تاریخ میں راجہ گدھ کے اسلوب اور فکر کی وجہ سے وہ اپنی مثال آپ ہے۔ انہوں نے ہمیشہ اپنے تخلیقی ادب میں اختلاقیات، روحانیت یا تصوف کو زادِ راہ بنائے رکھنے کی کوشش کی ہے۔ ان کی کہانیوں میں تصوف اور روخان کا حسین امتزاج قارئین کو تادیر متاثر کرتا رہے گا ان کے مشہور ناول راجہ گدھ میں حرام وحلال کا جو تصور انھوں نے پیش کیا ہے وہ ان کے اسلامی تصوف سے متاثر ہونے کی روشن دلیل ہے۔

☆☆☆

حوالہ جات

۱۔ادبی تحریکات و رجحانات، مرتب: انور پاشا، جلد ۲،عرشیہ پبلی کیشنز، دہلی، ۲۰۱۷، ص: ۲۳

۲۔ کلیاتِ سراج اورنگ آبادی، قومی اردو کونسل، دہلی، ۲۰۰۷، ۲۲۳

۳۔ بانو قدسیہ، راجہ گدھ، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور،

۲۰۱۷ء،ص:۳۶۲۔۳۶۳

۴۔ایضاً، ص:۴۰۰۔۴۰۱

۵۔ڈاکٹرممتازاحمدخان:اردوناول کے بدلتے تناظر،
ویلکم بک لمیٹڈ کراچی، ۱۹۹۳ء،ص:۱۹۴

۶۔تصوف: تصور و روایت از محمد حسن ،مشمولہ ادبی
تحریکات و رجحانات مرتبہ انور پاشا،عرشیہ پبلی کیشنز،
دہلی ۲۰۱۷ء، :ص:۲۷۔۲۸

۷۔بانوقدسیہ،راجہ گدھ،ص:۲۳۴